مرثیہ

دراحوال حضرت عباس وحضرت امام حسینؑ (بند-۲۷۹)

خدائے سخن مولانا نواب سید مہدی حسین ماہرؔ اجتہادی

(۱)

شیوہ ہے جس کا فقر میں وہ بادشاہ ہوں
گمنام ہو کے اہل سخن کی پناہ ہوں
سرمہ بھی ہوں تو وجہ جلائے نگاہ ہوں
اکسیر بھی ہے گرد وہ خاکِ سیاہ ہوں
رنگ حسد طلا ہو تو کیا یہ رقم نہیں
ہوں سنگ بھی وہ سنگ جو پارس سے کم نہیں

(۲)

میں بھی ہوں خاک اور یہ تعبیر بھی ہے خاک
گر خاکسار میں نہیں تقریر بھی ہے خاک
سب نقش بھی فضول ہیں تسخیر بھی ہے خاک
مشکل تو یہ مگر ہے کہ اکسیر بھی ہے خاک
معیوب تو ہے جب کہ خود اپنی ثنا کروں
اکسیر سے نہ مٹ کے بھی کم ہوں تو کیا کروں

(۳)

مٹی ہے قلب سوز کوئی ہے نہ ساز ہے
ویسی نہ رسم و راہ نہ ویسا نیاز ہے
گر ہے خطا معاف تو بس اس پہ ناز ہے
جو وصف ہے مرا وہ ہر اک دل کا راز ہے
ہو جائیں دن بھی خلق میں راتیں تو کچھ کھلے
کوئی کہے چھپی ہوئی باتیں تو کچھ کھلے

(۴)

اب بیبیوں میں بین کا ہونا کہوں میں کیا
دولہا کا تازہ شان سے سونا کہوں میں کیا
گھونگھٹ میں دم عروس کا کھونا کہوں میں کیا
ماں کا بلک بلک کے وہ رونا کہوں میں کیا
بیکس غریب جان نہ کھوئے تو کیا کرے
ماں (ہی) تڑپ تڑپ کے نہ روئے تو کیا کرے

(۵)

گھونگھٹ میں وہ دولہن (وہ) پریشانیٔ حواس
ناواقفی وہ بین سے وہ دکھ وہ غم وہ یاس
الٹی ہوئی وہ مسند شادی وہ گھر اداس
حسرت زدہ وہ سہرے کے پھولوں کی بو وہ باس
سب گھر الٹ پلٹ تھا عجب شور آہ تھا
سہرے کے پھول ہنستے تھے جس پر وہ بیاہ تھا

(۶)

کہتی تھی شرم چہرے سے گھونگھٹ جدا نہ کر
نالے یہ ملتجی تھے کہ ہم پر جفا نہ کر
گویا تھا صبر آہ سے لب آشنا نہ کر
دل کی تڑپ یہی تھی کہ رو بھی، حیا نہ کر
موقع یہی ہے جان کے کھونے کے واسطے
گھونگھٹ کی آڑ خوب ہے رونے کے واسطے

(۷)

یاں تھے یہ بین اور یہ باہر کا حال تھا
عباسؑ نامور کو غضب کا ملال تھا
اکبرؑ کو بھی جو اپنی جگہ اک خیال تھا
تیوری پہ بل تھے دل سے جواب وسوال تھا
بنت علیؑ بھی اپنے جگر بند کھو چکی
اب کیا ہے ایک شب کی دولہن رانڈ ہوچکی

(۸)

صورت یہ تھی ملال سے اس دیں پناہ کی
گہہ روئے گہہ کمئی مقدر پہ آہ کی
گہہ آنکھ اٹھا کے دیکھ لی کثرت سپاہ کی
گہہ تن کے اپنے جسم قوی پر نگاہ کی
قاسمؑ کی تیغ غم جو کلیجے پہ چل گئی
وہ آہ کی کہ تن کی زرہ بھی نکل گئی

(۹)

باتیں یہ بیٹھے سنتے تھے حضرتؑ بھی ایک سو
اتنے میں آئے اکبرؑ و عباسؑ روبرو
بولے یہ ہنس کے بھائی سے سلطان نیک جو
کہئے، چچا بھتیجوں میں کیا تھی یہ گفتگو
اک عمر کے تمہیں تو فقط کائنات ہو
ہم بھی سنیں اگر نہ چھپانے کی بات ہو

(۱۰)

کی عرض انہوں نے مالک ومختار ہیں حضور
بے مشغلہ بھی ہیں تو سرکار ہیں حضور
ہم لوگ خانہ زاد ہیں سردار ہیں حضور
پردہ بھی ہے تو واقف اسرار ہیں حضور
کوئی کہے خلاف تو کب مانتے ہیں آپ
باتیں وہی تھیں سب کہ جنہیں جانتے ہیں آپ

(۱۱)

فرمایا ہم کہیں وہ جو باہم تھی قیل و قال
کچھ تم کو اپنی لاش کی نسبت ہے احتمال
قوم عرب میں لاش بھی ہوتی ہے پائمال
لیکن وہاں جہاں کہ ہو تخفیف کا خیال
تم کو عبث خیال تن پاش پاش ہے
پامال ہوگی جو وہ کوئی اور لاش ہے

(۱۲)

خیر اس کو جانے دو یہ، کہو ہے خیال کیا
اللہ قہر و غیظ سے چہرہ ہے لال کیا
پہنچا ہے کچھ شبیہ نبیؐ سے ملال کیا
دیکھو تو آئینہ میں کہ ہے منہ کا حال کیا
دنیا ہے بے مدار، جہاں بے ثبات ہے
آخر کہو تو، کون سی پردہ کی بات ہے

(۱۳)

کی عرض امید لطف امام جلیل ہے
اک امر جاں‌نثاریٔ عبد ذلیل ہے
جز آپ کون راہنمائے سبیل ہے
کونین کی یہ ذات مقدس کفیل ہے
مجھ کو بھی اب طریق دَیارِ فنا ملے
چھوٹا ہوا بھی قافلے والوں سے جا ملے

(۱۴)

پیاسے جو ہوں صغیر تو کیوں قلب جل نہ جائے
باد فنا ریاض میں بچوں کے (چل) نہ جائے
رنگ چمن ہوائے خزاں سے بدل نہ جائے
اے باغباں گلوں سے کہیں بو نکل نہ جائے
مولا ہر ایک ان میں سے اک تازہ پھول ہے
یہ وقت آبیاریٔ باغ رسولؐ ہے

(۱۵)

فرمایا یہ غرض ہے کہ جنت میں مر کے جاؤ
راضی ہوں سوئے باغ جناں خوں میں بھر کے جاؤ
جاؤ مگر جہاں سے تو یوں تم گذر کے جاؤ
رانڈوں کے امر میں کوئی تدبیر کر کے جاؤ
سمجھو نہ سہل اسے کہ ہے عترت رسولؐ کی
قرآں کے بعد ہے یہ امانت رسولؐ کی

(۱۶)

یہ بھی نہ سنئے گر تو ہمیں کو رلایئے
بچھڑے ہوئے ہیں دیر سے نزدیک آیئے
کچھ دل طپاں ہے سینے سے سینہ ملایئے
زوجہ بھی اذن دے تو پئے جنگ جایئے
وہ بھی تو دل گداختہ ہے تیرہ بخت ہے
عورت کا امر، مرحلہ صعب و سخت ہے

(۱۷)

کیونکر کہوں کہ خلد میں سر کو کٹا کے جاؤ
اک بے کس و غریب کو بیوہ بنا کے جاؤ
بے کس کی کوئی شکلِ بسر بھی بتا کے جاؤ
اچھا اگر یہی ہے تو خیمہ سے آ کے جاؤ
کیا تم کو اس کے دل کی خبر کچھ نہ ہوئے گی
جو منہ کو ڈھانپ ڈھانپ کے راتوں کو روئے گی

(۱۸)

بعد آپ کے یہ جان کو کھوئے تو کیا کروں
پیاسی سکینہ شب کو نہ سوئے تو کیا کروں
رہ رہ کے دل میں درد جو ہوئے تو کیا کروں
بچوں کو ساتھ لے کے جو روئے تو کیا کروں
کبریٰ کے غم میں سوچئے کیا شور و شین ہیں
اک شب کی ہے وہ رانڈ یہ بیوہ کے بین ہیں

(۱۹)

مجروح جسم نہر پہ کس طرح آ کے لائیں
لاکھوں کے غول گھاٹ سے کیونکر بھگا کے لائیں
چلنے نہ دے جو ضعف تو کس طرح جا کے لائیں
چھوٹی سی یہ بھی لاش ہے جس کو اٹھا کے لائیں
بھیا مقام غور ہے موقع ہے دھیان کا
لاشہ بھی وہ کہ ہو جو تم ایسے جوان کا

(۲۰)

گودی میں کچھ تو پالنے کی قدر جانئے
خوف نگاہ بد ہے نہ سینے کو تانئے
دل پر نہ عزم جزم صف جنگ ٹھانئے
بے کس پہ رحم کیجئے کہنے کو مانئے
اس درد جاں گزا کا اگر ضبط کر گیا
سن لیجئے گا آپ کہ شبیرؑ مر گیا

(۲۱)

آئے یہ سن کے خیمے میں عباسؑ خوش خصال
دیکھا کھڑی ہے ڈیوڑھی میں زوجہ بصد ملال
فرمایا کیوں کھڑی ہو یہ کیا ہے تمہارا حال
کی عرض مرے درد سے واقف ہے ذوالجلال
اظہار گو کہ درد جگر کا علاج ہے
ڈرتی ہوں پر کہ آپ کا نازک مزاج ہے

(۲۲)

آخر یہ کانپ کانپ کے بولی وہ حق شناس
بیٹھی ہوئی تھی میں ابھی بنت علیؑ کے پاس
باتیں تھیں کچھ رنڈاپے کی کچھ ذکر درد و یاس
آخر کو بیٹھے بیٹھے دل ایسا ہوا اداس
ہر بات دل میں ہو گئی برچھی گڑی ہوئی
الجھا دم اس قدر کہ یہاں آ کھڑی ہوئی

(۲۳)

جو آئی پاس بنت علیؑ کے اداس آئی
باتوں میں یہ بھی بات بصد رنج و یاس آئی
بیٹی کو شاہ دیں کے یہ شادی نہ راس آئی
فضہؑ بھی اتنی دیر میں کچھ بے حواس آئی
کیا جانے کیا کہا کہ طبیعت الٹ گئی
بنت علیؑ کے کان میں کچھ کہہ کے ہٹ گئی

(۲۴)

بیٹھی تھی گو ہٹی ہوئی میں سوختہ جگر
لیکن ہزار کچھ ہو مرا دھیان تھا ادھر
میں سچ کہوں کہ مجھ کو بس اتنی تو ہے خبر
آیا تھا نام آپ کا اس کی زبان پر
جب سے سنا ہے دن مری نظروں میں رات ہے
کہتا ہے دل کہ ہو نہ ہو کچھ میری بات ہے

(۲۵)

آئے یہ سن کے حضرت زینبؑ کے پاس آپ
رخصت سے تھی جو یاس تو تھے بے حواس آپ
دیکھا ٹہل رہی ہیں بہ اندوہ و یاس آپ
کی عرض کیا ملال ہے کیوں ہیں اداس آپ
فرمایا تیر رنج و الم دل پہ کھائے ہیں
فکر اُس کی ہے کہ جس کے لئے آپ آئے ہیں

(۲۶)

کیونکر نہ بے حواس ہوں میں غم ہے آپ کا
شوق وغا میں اور ہی عالم ہے آپ کا
بھائی کی زندگی کا سبب دم ہے آپ کا
سنتی ہوں میں کہ قصد، مصمم ہے آپ کا
بے میرے پوچھے جنگ پہ تیار ہوگئے
لو سب تو خیر، آپ بھی مختار ہوگئے

(۲۷)

اچھا یہی ہے گرتو میں دیتی ہوں یوں رضا
دشمن ہیں بھائی کے عمر و شمر بے حیا
ہیں فتنہ وَ فساد کے باعث یہ پر دغا
عباسؑ! اسیر ہو کے یہ آئیں تو ہے مزا
آسان ہے سب جو بخت رسانے رسائی کی
یہ قید ہوں اگر تو بچے جان بھائی کی

(۲۸)

کی عرض آپ بنت جناب امیرؑ ہیں
یہ کیا ہیں شیرِ حق کے پسر شیر گیر ہیں
پروا ہے کیا جو فوجوں میں لاکھوں شریر ہیں
آزاد میں ہوں گر، تو یہ دونوں اسیر ہیں
لاکھوں بھی ان کے چھوڑ نہ دیں ساتھ، تو سہی
در پر کھڑے ہوں باندھے ہوئے ہاتھ، تو سہی

(۲۹)

تسلیم کرکے آپ وہاں سے ہوئے رواں
زوجہ کے پاس آ کے یہ کرنے لگے بیاں
صاحب تمہارا خالق اکبر نگاہباں
جاتے ہیں ہم پئے مددِ سرورؑ زماں
کہتے ہیں تم سے جان کو کھونا نہ ہجر میں
گر ہم کو چاہتی ہو تو رونا نہ ہجر میں

(۳۰)

بچوں کے ہاتھ تھام کے بولی وہ سوگوار
کیا حکم ان کے باب میں ہوتا ہے میں نثار
مجھ کو تو پھر ہے سہل کہ ہے دل پہ اختیار
ممکن نہیں بلے ہوئے بچوں کو ہو قرار
سینہ پہ ہاتھ غم سے جو ماریں تو کیا کروں
شب کو یہ باپ باپ پکاریں تو کیا کروں

(۳۱)

بچے ہیں جان ہجر میں کھوئیں گے یا نہیں
دامن کو آنسوؤں سے بھگوئیں گے یا نہیں
رہ رہ کے درد قلب میں ہوئیں گے یا نہیں
پچھلے پہر کو اُٹھ کے یہ روئیں گے یا نہیں
فرمائے کہ گود میں لے یا رہا کرے
اُس دوپہر یا رات کو یہ رانڈ کیا کرے

(۳۲)

زوجہ سے کہہ کے یہ سوئے دشت وغا چلے
تنتے ہوئے مثال شہہ لا فتا چلے
تلوار تولتے ہوئے شیر خدا چلے
باندھے کمر نبرد کو مشکل کشا چلے
تعظیم اب ہے فرض شہ خوش نہاد کو
پردہ اٹھا علیؑ نکل آئے جہاد کو

(۳۳)

اک شور تھا کہ آپ پئے دار و گیر آئے
ہشیار سب ہوں بادشہ قلعہ گیر آئے
برہم مزاج حمزہؑ گردوں سریر آئے
پردہ اٹھا محل سے جناب امیرؑ آئے
نکلے جو یوں حسینؑ کی تسلیم کے لئے
شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے تعظیم کے لئے

(۳۴)

غل پڑ گیا کہ ابرش دلدل نژاد آئے
خود جس کی شاطری کے لئے کیقباد آئے
جوزہ دم و ہلال سم و خوش نہاد آئے
زورق رواں ہو دین کے باد مراد آئے
کیوں امت رسولؐ کا بیڑا نہ پار ہو
جب ناخدائے کشتیٔ عالم سوار ہو

(۳۵)

کیوں دیر ہے عبث فرس تیز پا بھی آئے
آیا ہے بادشاہِ دو عالم ہُما بھی آئے
تکلیف ہے حضور کو ہاں باد پا بھی آئے
مدت سے جو بندھی ہوئی ہے وہ ہوا بھی آئے
اصطبل سے نکلتی ہے چشم صبا کھلے
فرماتے ہیں بندھی ہوئی جلدی ہوا کھلے

(۳۶)

اصطبل سے فرس کا اب آنا کہوں میں کیا
مڑ مڑ کے سایہ کو وہ بلانا کہوں میں کیا
راکب کے پاس ہٹ کے وہ جانا کہوں میں کیا
پیاری کنوتیوں کا ملانا کہوں میں کیا
مطلب یہ تھا کہ کیا سپہؑ کینہ خواہ ہے
دو دل ہیں اک تو کوہ بھی پھر مشکل کاہ ہے

(۳۷)

یہ سب تو خیر شان سے آنا تھا اور قہر
راکب کو ہنہنا کے بلانا تھا اور قہر
چھوٹی سی تھوتھنی میں دہانا تھا اور قہر
بل کر کے منہ سے کف کا گرانا تھا اور قہر
ایما یہ تھا کہ مرد مرے آن بان پر
پیاس اور سوار دوش نبیؐ تف جہان پر

(۳۸)

ناگاہ رخش پر اسد خشمگیں چڑھا
گھوڑے پہ کیا نظر پہ ہژبر عریں چڑھا
غل پڑ گیا جہاد کو ضرغام دیں چڑھا
انگشتری پہ در نجف کا نگیں چڑھا
کیونکر نہ ہو کہ لال خدا کے ولی کے تھے
جعفر کی ران باگ تھے تیور علیؑ کے تھے

(۳۹)

آمد ہے اک ہژبر کی دریا پہ رات سے
موجیں بھی ہاتھ دھوئے ہوئے ہیں جباب سے
کان آشنا کبھی تھے جو اس واردات سے
اب تک بھی منہ اُٹھاتے ہیں گھوڑے فرات سے
جو چاہے جا کے دیکھ لے ہیبت دلیر کی
بو آج تک ترائی سے آتی ہے شیر کی

(۴۰)

آتا ہے شیر نہر پہ صیدوں کی گھات میں
تلخی نہ کیوں ہو زہر کی آب حیات میں
کچھ اور ہوگیا ہے جو پانی صفات میں
منہ ڈالتا نہیں کوئی گھوڑا فرات میں
ہر دل کو ہے جو ڈر سے تصور دلیر کا
پانی میں صاف منہ نظر آتا ہے شیر کا

(۴۱)

پرتو وہ رخ کا اور وہ علم سر پہ جلوہ گر
پرچم تھے یا کہ ہاتھ میں تھا حور کے چنور
پنجہ لچک رہا تھا عبث کب قریب سر
کہتا تھا ہاتھ رکھ کے علم فرق پاک پر
کس کس کی قدر حسن نے ان کے نہ خاک کی
بے مثل ہیں قسم ہے اسی فرق پاک کی

(۴۲)

مدت سے باز شوق میں تھے در رکاب کے
آباد کیوں قدم سے نہ ہوں گھر رکاب کے
حلقے تھے مثل شمس و قمر ہر رکاب کے
کشتی چلی پڑے رہے لنگر رکاب کے
تھا قول بر و بحر میں ہر اک ذی حیات کا
لنگر سے بھی رُکا نہ سفینہ نجات کا

(۴۳)

کس طرح نقش نعل کے پائے وقار چاند
گردوں پہ ایک تھا تو زمیں پر ہزار چاند
کیلوں پہ نجم اور سموں پر نثار چاند
تھے نعل یا زمیں کو لگائے تھے چار چاند
دیکھیں نہ جائے وصف یہ کب تک زمین سے
گل چاندنی کے اُگتے ہیں اب تک زمین سے

(۴۴)

کیوں متصل نہ خصم کو اس کی خبر لگے
دامن اڑے جو زیں کے تو پہلو میں پر لگے
ڈرتا ہوں اب عقاب پہ سب کی نظر لگے
نزدیک ہے نشان کے نیچے سے سر لگے
پیدا تھا صاف پرچم رایت کی شان سے
گھوڑے کی یال الجھی ہوئی ہے (نشان) سے

(۴۵)

گھوڑا بڑھا کے جب صفت شیر حق بڑھے
جانیں لبوں پہ آئیں دلوں کے قلق بڑھے
یوں دھوپ میں سموں سے زمین کے طبق بڑھے
جس طرح چوٹ کھا کے طلای ورق بڑھے
آیا نہ تھا جواں کوئی اس آن بان سے
کوسوں زمین بڑھ گئی تھی آسمان سے

(۴۶)

صدقے سموں پہ درہم و دینار کی صدا
تھی آب آب ابر گہر بار کی صدا
ہر سم میں تھی جو زخمۂ زرکار کی صدا
جادوں سے صاف آ رہی تھی تار کی صدا
غل تھا یہ چال ختم ہے اس راہوار پر
مضراب کی نکاں ہے کہ جاتی ہے نار پر

(۴۷)

پاؤں صدا سنائیں جو ہر بار تار کی
دیکھی نہ شکل زخمۂ زرکار تار کی
ہر رگ جو دے رہی تھی صدا تار تار کی
کانوں میں صاف آتی تھی جھنکار تار کی
اک شور تھا کہ پھر کہیں راکب نہ ایڑ دے
کیوں برق ہوں نہ تار جو مضراب چھیڑ دے

(۴۸)

وہ انکھڑیاں کہ دیکھ کے حوروں کے دل جلیں
پاؤں کی وہ ادا کہ چلیں جس طرح کلیں
نازک کنوتیاں نہ کلیجوں کو کیوں ملیں
شاخ نہال حسن سے پھوٹی ہیں کوپلیں
سنبل کا پیچ زلف شکن در شکن میں تھا
غنچے میں تھیں رگیں کہ دہانہ دہن میں تھا

(۴۹)

ناگاہ آئے آپ، نظر فوج سے لڑی
برچھی تھی اک کہ ہر دل بیدرد میں گڑی
تننے میں آنکھ شیر کی یوں فوج پر پڑی
کڑکی بدن میں تنگ زرہ کی کڑی کڑی
ثابت یہ تھا نظر سے کہ دنیا اُلٹ گئی
پیارا بدن یہ تھا کہ زرہ بھی لپٹ گئی

(۵۰)

اس طرح آپ رن میں پئے کارزار آئے
صحرا میں جیسے شیر برائے شکار آئے
پاؤں نہ اک بڑھا حرکت میں ہزار آئے
گیتی ہلی، نبرد کو دلدل سوار آئے
راکب بھی چاہتے تھے کہ گھوڑے ہوا کریں
شیر آ پڑے تو غول غزالوں کے کیا کریں

(۵۱)

لاکھوں کے آگے پاک جو کی گرد راہ کی
رومال سے بھی آئی صدا واہ واہ کی
وہ دوپہر کی دھوپ وہ کثرت سپاہ کی
ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے صفوں پر نگاہ کی
جب لشکر کثیر بھی نظروں میں کم ہوا
اس وقت اس طرف کے بھی کشتوں کا غم ہوا

(۵۲)

کثرت غضب کی تھی سپہ کینہ خواہ میں
داخل تھی منزلوں کی زمیں رزم گاہ میں
جنبش نہ تھی جنود ضلالت پناہ میں
حل ہو رہی تھی دھوپ سواد سپاہ میں
ہرگز نہ تھی وہ دھوپ سپاہ رذیل میں
کف آ گیا تھا جوش سے دریائے نیل میں

(۵۳)

تیغوں کا جس میں کاٹ تھا دریا وہ نہر وہ
لٹ جائے جس میں دن کو پر آشوب شہر وہ
افعی بھی جس سے مات کمانوں میں لہر وہ
اُترے نہ چڑھ کے جو کبھی تیروں میں زہر وہ
اس دن پہ کیا نہ کم وہ اثر آج تک ہوا
آخر چڑھا یہ زہر کہ نیلا فلک ہوا

(۵۴)

اچھی طرح جو یوں نہ کھلا حال فوج شر
گھوڑا بڑھا کے آئے مقام بلند پر
نیزہ پہ تکیہ کرکے جری نے بکر و فر
کی کثرت سپاہ پہ تفصیل سے نظر
سب اک نگاہ غور میں مفہوم ہوگیا
آخر جو چاہتے تھے وہ معلوم ہوگیا

(۵۵)

جوش نبرد تھا جو دل صید خواہ میں
نظروں سے پہلے تیغ چلی رزم گاہ میں
ہل چل پڑی یزید کی جنگی سپاہ میں
تن کر فرس پہ فوج کو تولا نگاہ میں
غازی پہ بندوبست صفِ جنگ کھل گیا
لشکر تمام آنکھ کی میزاں میں تُل گیا

(۵۶)

دیکھا کبھی غضب میں سوئے لشکر گراں
بازو کو مل کے ہاتھ سے دی فرق کو تکاں
تاخیر جنگ سے دل مضطر جو تھا طپاں
انگڑائی لی کبھی، کبھی چٹکائیں انگلیاں
ہاتھ اینٹھتے تھے ظلم شعاروں کو دیکھ کر
بے چین تھا ہژبر شکاروں کو دیکھ کر

(۵۷)

شوق وغا میں شیر کو یہ اضطرار تھا
رانوں میں مثل برق فرس بے قرار تھا
لوہے کو بھی یہ دست قوی سے فشار تھا
قبضہ پہ انگلیوں کا نشاں آشکار تھا
جوہر کھلا جو تیغ میں زور جناب کا
فوراہ چھوٹنے لگا قبضہ سے آب کا

(۵۸)

کیونکر نہ ہر جری پہ ہو غازی کو برتری
تدبیر بھی ہے داخل فن سپہ گری
غفلت نہیں نبرد میں راہ دلاوری
ہشیاریاں ضرور ہیں ہنگام صفدری
باتیں یہ سب تھیں شیر الٰہی کے واسطے
لازم ہے دیکھ بھال سپاہی کے واسطے

(۵۹)

مطلب یہ تھا کہ فوج عدو پر کدھر سے جائیں
کھل جائے راہ بند بھی ایسے ہنر سے جائیں
لشکر پہ حملہ ور ہوں ادھر یا اُدھر سے جائیں
خیمہ ملے رئیس شقی کا جدھر سے جائیں
کچھ راہ سوچ کر جو طبیعت کا بل گیا
بے ساختہ زبان سے اچھا نکل گیا

(۶۰)

ناگاہ صورت اسد خشمگیں چلے
پڑھتے رجز مثال ہژبر عریں چلے
کرسی سے اٹھ کے دیکھنے سلطان دیں چلے
گویا علیؑ چڑھائے ہوئے آستیں چلے
ہاں وہ بھی قوت ملکوتی سے کام لیں
میکال سے کہو کہ یہ بازو بھی تھام لیں

(۶۱)

کس کے نہ ہوش واں دم ضرب حضور اڑے
چلنا تھا تیغ کا کہ سر پر غرور اڑے
صحرا میں پھیلی دھوپ پہ آنکھوں کے نور اڑے
گیتی ہلی، شجر ہوئے جنباں، طیور اڑے
بخشا تھا رُعب خاص جو خالق نے دین کو
اٹھا غبار، آئے پھریرے زمین کو

(۶۲)

لشکر کا اب اجل سے نہ کیوں معرکہ پڑے
کیا ہو جو شیر غول پہ ہرنوں کے جا پڑے
کیونکر سپاہ کیں میں نہ پھر تہلکہ پڑے
سایہ سمیت فوج پہ دو شیر آ پڑے
غل تھا کہ گھاٹ چھننے میں اب خاک دیر ہو
کیا حال ہو جو شیر کے ہمراہ شیر ہو

(۶۳)

قبضہ میں اس طرح نظر آئی وہ آبدار
فوارے سے نکلتی ہے پانی کی جیسے دھار
یوں میان سے جدا ہوئی طرار بُردبار
جس طرح جنتری سے نکلتا ہے صاف تار
لاکھوں کے خون ہوگئے، تلوار چل گئی
کیا بات تھی کہ میان کے منہ سے نکل گئی

(۶۴)

ہر زخم کو چراغ بنایا، خدا کی شان
پانی نے آگ بن کے جلایا، خدا کی شان
جوہر کا وصف آب میں پایا، خدا کی شان
سائے میں دھوپ، دھوپ میں سایہ، خدا کی شان
دل کھینچتے تھے منہ سے جو آواز پاؤں کی
بر میں تھی اک پری کے قبا دھوپ چھاؤں کی

(۶۵)

کس قلب کو نہ تیر نگہ سے کیا ہدف
یوں ہاتھ چل رہا تھا کہ گرتی تھی صف پہ صف
کیونکر نہ جانیں خوف سے اس بن میں ہوں تلف
جس بن میں دھوپ بن گیا گھوڑوں کے منہ کا کف
کہتے ہیں جس کو حشر وہ صحرا کا روپ تھا
کیسی وہ جا تھی جس میں کہ سایہ بھی دھوپ تھا

(۶۶)

جس صف پہ دست شیر عجم اٹھ کے رہ گئے
ہاتھوں میں شاعروں کے قلم اٹھ کے رہ گئے
یہ حال تھا جہاں پہ علم اٹھ کے رہ گئے
جب گرد اٹھی زمیں سے قدم اٹھ کے رہ گئے
ممکن نہ تھا کہ رن میں قدم کوئی جم سکے
کیا جنگ تھی کہ خاک کے پتلے نہ تھم سکے

(۶۷)

مر جائیں بھاگ کر بھی تو تدبیر کیا کریں
یوں ان کی موت آتی ہے جینے پہ جو مریں
بندش یہ ہو تو خاک طرارے فرس بھریں
الجھی ہوئی تھیں گھوڑوں کی آپس میں پاکھریں
طرفہ ہجوم تھے سپہِ نابکار کے
اِس کی رکاب پاؤں میں تھی اُس سوار کے

(۶۸)

جس وقت تھی یہ فوج میں تر بھر یہ انتشار
مضطر ٹہل رہا تھا بن سعد نابکار
اک جا کہیں جو خیمہ میں دم بھر نہ تھا قرار
زانو پہ ہاتھ مار کے کہتا تھا بدشعار
لشکر پہ کچھ چپیٹ دم جنگ پڑ گئی
اے شمر! دیکھ بن کے لڑائی بگڑ گئی

(۶۹)

اتنے میں منشیوں کی ہوئی ہر طرف پکار
آئے جو وہ بگڑ کے تو بولا جفا شعار
دیکھا نہیں جو فوج میں ہے حشر آشکار
اب تک کہاں تھے دیر سے تھا کس کا انتظار
نوکر وہ کیا! ہو عذر جسے نیک دید میں
کیا کیا نمک حلال ہیں فوج یزید میں

(۷۰)

آخر کہا شقی نے یہ غصہ کو ٹال کر
ابن زیاد کو ہے ضرور آج کی خبر
لکھا تمام انہوں نے غرض حال فوج شر
تھا بعد سرگذشت یہ مضمون مختصر
عباسؑ کی وغا بھی علیؑ کی لڑائی ہے
دب کر سپاہ سب مرے خیمہ تک آئی ہے

(۷۱)

وقت سحر سے راہیٔ ملک عدم ہے فوج
اک اک کے دو ہوئے ہیں مگر اس پہ کم ہے فوج
بے سر ہیں تن بغیر ثبات قدم ہے فوج
افسر کا کیا قصور ہزیمت شیم ہے فوج
اُکھڑیں قدم تو جنگ کا کیا کوئی نام لے
سردار پاؤں فوج کے کس طرح تھام لے

(۷۲)

سردار مجھ سا فرد تو کیا زوج اور بھیج
لاکھوں کی بھی سپاہ ہے پست اوج اور بھیج
غفلت نہ کر کمک صفتِ موج اور بھیج
تھوڑے سے لوگ رہ گئے ہیں فوج اور بھیج
یہ شیر کم نہیں اسدِ قلعہ گیر سے
تلوار چل رہی ہے جناب امیرؑ سے

(۷۳)

تیار کر چکا جو وہ نامہ سیاہ کار
کوفے کی سمت لے کے چلا سانڈنی سوار
جھپٹا ادھر صفوں پہ وہ ضیغم پئے شکار
باجے بجے، بھڑک گئے گھوڑے، اڑا غبار
رعب جری سے جنگ کے ارماں نکل گئے
ڈھیلی جو چٹکیاں ہوئی سب بیر جل گئے

(۷۴)

بیگانے کا یگانے پہ ہوتا نہ کیوں گماں
خاک اڑ رہی تھی تیرہ و تاریک تھا جہاں
جاتے تھے ہاتھ اندھیرے میں کیا کیا نہ رائیگاں
کھلتا نہ تھا کسی کو کدھر کا ہے یہ جواں
کیا وقت تھا کہ اپنے پرایوں سے بیر تھا
ضربت پڑی جو سر پہ تو سمجھے کہ غیر تھا

(۷۵)

کیا کیا لڑائیاں نہ وہ اس وقت کی کھلیں
سر پر بلائیں آ کے نہ ٹالے سے بھی ٹلیں
جانیں اندھیرے دشت میں گھٹ گھٹ کے جب چلیں
حکم امیر فوج ہوا مشعلیں جلیں
جو تھا جہاں پہ محو وہ تا دیر ہوگیا
دن کو چراغ جل گئے اندھیر ہوگیا

(۷۶)

آئی نظر جو آپ کو ہلچل سپاہ کی
ہمت بڑھی کچھ اور دل خیر خواہ کی
جب منتشر ہوا سے ہوئی گرد راہ کی
خیمہ پہ ابن سعد کے تن کر نگاہ کی
سمجھے جو اس نظر کو جواں سب لڑے ہوئے
افسر تمام گردِ امیر آ کھڑے ہوئے

(۷۷)

تیروں کی آج تک ہے علامت بنی ہوئی
انجم نہیں ہیں سقف فلک ہے چھنی ہوئی
باجوں میں تیرگی سے جو سینہ زنی ہوئی
گھوڑے چراغ پا ہوئے جب روشنی ہوئی
ظلمت وہ تھی کہ حالت شب میں بسر ہوئی
مہتاب منہ پہ چھٹ گئے جس کے سحر ہوئی

(۷۸)

کٹ کر زمیں پہ تیغ سے جب پہلواں گرے
سیل آئے زور میں تو یکا یک مکاں گرے
پیچھے دبی جو فوج صفوں میں جواں گرے
خیمہ پہ ابن سعد شقی کے نشاں گرے
سردار کی بھی جرأتوں کا طور کھل گیا
اُلٹی جو آستین تو ہاتھ اور کھل گیا

(۷۹)

آیا جدھر کو شیر پرے کا پرا نہ تھا
تیغوں میں ابروؤں پہ کہیں بل ذرا نہ تھا
(قلب) و جناح و میمنہ وَ میسرہ نہ تھا
خالی صفیں ہوئی تھیں مگر دل بھرا نہ تھا
نعرہ یہ تھا کہاں سپہ شام و روم تھی
او ابن سعد بس اسی لشکر کی دھوم تھی

(۸۰)

کس طرح ہاتھ قفل ظفر کی کلید آئے
آئے کمک تو فوج میں اک تازہ عید آئے
کوئی تو بہر حفظِ دَرید و بُرید آئے
ابن زیاد کیا مع لشکر یزید آئے
جائے گی جس طرف صفت موج جائے گی
یہ ہاتھ ہیں تو بچ کے کہاں فوج جائے گی

(۸۱)

یہ کہہ کے ابن سعد کے خیمہ پہ جا پڑے
ٹل جائے کیوں نہ فوج جو یہ معرکہ پڑے
کس طرح بزدلوں میں نہ پھر تہلکہ پڑے
یوں آئے شمر پر کہ اسد جیسے آ پڑے
کیوں دم بدم نہ جوش ہو تیغ آزمائی کا
سردار قید ہوں تو مزا ہے لڑائی کا

(۸۲)

کیا ہو بلا اجل کی کسی کے جو سر پڑے
تلواریں پھر بلند ہوئیں کھیت پھر پڑے
میداں سے جن کے پاؤں بھی اُٹھے وہ پھر پڑے
کچھ ہو سکا نہ ایک پہ گو لاکھ گر پڑے
فولاد بھی تھے موم وہ دل تھا دلیر کا
روباہ لاکھوں ہوں تو ضرر کیا ہے شیر کا

(۸۳)

خیمہ کے سمت آپ جو گھوڑا ڈپٹ کے آئے
گیتی ہلی، ہٹے ہوئے لشکر سمٹ کے آئے
مارا اُسے جو ہاتھ تو اِس پر پلٹ کے آئے
ڈانٹا کبھی اِسے کبھی اُس پر جھپٹ کے آئے
آئے جو آپ موت ستمگر کی پھر پڑی
لرزہ یہ دل کہ ہاتھ سے تلوار گر پڑی

(۸۴)

برپا تھی کیا سپاہ میں ہلچل لڑائی سے
بھر بھر گئے تھے خون کے جل تھل لڑائی سے
کہتا تھا گونج گونج کے جنگل لڑائی سے
جنگ اخیر بڑھ گئی اول لڑائی سے
بھڑکی تھی آگ نعل در آتش سمند تھے
یہ ہاتھ اُس لڑائی سے ہاتھوں بلند تھے

(۸۵)

فقروں میں تیغ، تیز رہی اک جہان سے
قائل اگر ہوئی بھی تو اپنی زبان سے
کم تھا نہ اس کا حسن بھی لیلیٰ کی شان سے
کہتی تھی یہ چمک ابھی اتری ہے سان سے
یوں مرتضیٰؑ ہی نے نہ فقط تیغ پائی ہے
عباسؑ کو بھی چرخ سے تلوار آئی ہے

(۸۶)

تلوار روک لی کہیں چہرے بگاڑ کے
طبقے ہلا دیئے کہیں نیزے کو گاڑ کے
آخر عبث کے بوجھ کو نظروں میں تاڑ کے
دامن زرہ کے پھینک دیئے پھاڑ پھاڑ کے
جنگل لرز رہا تھا قیامت کا شور تھا
دستانے ہاتھ پکڑے تھے اس پر یہ زور تھا

(۸۷)

گھوڑے لہو میں لعل تھے ادنیٰ سی تھی یہ جنگ
سبزے سرنگ ہو گئے بدلا یہ رن نے رنگ
بسمل پھڑک رہے تھے لڑائی کا تھا یہ ڈھنگ
چار آئینہ میں آپ تھے پانی میں یا نہنگ
یوں جنگ کی لباسِ وغا میں دلیر نے
پانی میں جیسے ہاتھ لگائے ہوں شیر نے

(۸۸)

کالے علم کھلے تو سیاہی سی چھا گئی
آئے جدھر جھپٹ کے اجل سر پہ آ گئی
پٹکا جواں کہیں تو زمیں تھرتھرا گئی
کاٹی زرہ کسی کی تو کوسوں صدا گئی
حمزہ کی کارزار تھی حیدرؑ کی حرب تھی
مانگی اماں حدید نے جس سے وہ ضرب تھی

(۸۹)

آیا جدھر ہژبر صفوں میں پئے شکار
باجے بجے، بھڑک گئے گھوڑے، گرے سوار
نیزوں میں تا زمیں جوسموں کا نہ تھا گذار
لشکر میں رہ گئے تھے الف ہو کے راہوار
انسان کس طرح سے وہاں کاربند ہوں
دست اماں جہاں فرسوں کے بلند ہوں

(۹۰)

وہ تیغ جس میں آئینہ کی صاف آب وتاب
جوہر وہ جس سے موئے تن حور کو حجاب
اس طرح زخم تن سے نکلتے تھے وہ خوش آب
جس طرح کھینچتے ہیں گل سرخ سے گلاب
قدرت خدا کی آگ بھی تھی اس خوش آب میں
جوہر نہ تھے بخار اٹھا تھا گلاب میں

(۹۱)

کشتِ حیات، تیغ نہ کیوں کر کرے دِرَو
خوں ریزیوں کے وقت بہانے تھے اس کو سو
قبضہ سے کب بلند تھی اس برق (وش) کے ضو
کیا آگ تھا مزاج کہ نکلی تھی منہ سے لو
اب اس کی آب وتاب کا کیوں کر حساب ہو
سر سے بلند جس کے کٹورے کا آب ہو

(۹۲)

یوں لڑ رہا تھا شیر کہ بے چین تھے حسینؑ
یاد آ رہی تھی چابکیٔ فاتح حنین
تھی دم بدم جو باڑھ پہ ہاتھوں کے زیب وزین
دم کر رہا تھا بازوؤں پہ حسن جوشنیں
تننے میں آنکھیں جنگ پہ جب تل کے رہ گئیں
کڑیاں زرہ کی جسم میں کھل کھل کے رہ گئیں

(۹۳)

ناہیں وہ جن پہ صدقے پری کی ہر ایک رگ
قبضہ پہ یوں وہ ہاتھ انگوٹھی پہ جیسے نگ
کیوں کر رہے اجل بھی نہ اس سے الگ تھلگ
بُرّش وہ جس سے آپ بھی تھے ہاتھ بھر الگ
لازم ہے اس سے خوف بھی گو پشت اِدھر کو ہے
اب کہئے ان کا حال ہو کیا منہ جدھر کو ہے

(۹۴) **ساقی نامہ**

ہاں ساقیا دکھا مجھے خونریزی سبو
کر موج مئے کو تیغ رگِ گردن عدو
ہو بے محل جو قلقل مینا کی گفتگو
دکھلا دے چشمِ جام میں اترا ہوا لہو
کیوں دیر کی ہے گردش ایام کی طرح
کب تک لہو کے گھونٹ پیوں جام کی طرح

(۹۵)

ڈھالیں اٹھیں ہیں ابر گہر بار کی طرح
افسردہ دل ہوں مردم بیمار کی طرح
جنباں قدم ہیں ضعف سے میخوار کی طرح
وہ مئے پلا کھنچی ہو جو تلوار کی طرح
گرما کے مست بند قبا کھولنے لگے
قلقل سنو(ں) تو کان میں رن بولنے لگے

(۹۶)

حملے کئے جو آپ نے شیر اللہ کے
بھاگے جوان فوج ضلالت پناہ کے
آخر کو اٹھ سکے جو نہ صدمے نگاہ کے
خجلت سے سر جھکے قدم اٹھے سپاہ کے
جھپٹے جو آپ در کی طرف منہ کو موڑ کے
بھاگی سپاہ خیمۂ افسر کو چھوڑ کے

(۹۷)

پہنچی جو فوج بھاگ کے میدان سے دور دور
خیمہ میں ابن سعد کے داخل ہوئے حضور
دیکھا کہ گرد و پیش ہیں کچھ اہل مکر و زور
ہیں سب کے بیچ میں عمرو شمر پر غرور
جان امیر کے تھے جو لالے پڑے ہوئے
تلواریں کھینچ کھینچ کے سب اٹھ کھڑے ہوئے

(۹۸)

بازو میں تھے جو زور شہ قلعہ گیر کے
ہوش اُڑ گئے سران سپاہ شریر کے
بڑھنے لگے جو اور بھی لوگوں کو چیر کے
افسر تمام چھا گئے سر پر امیر کے
یاں بھی جو آرزوئے وغا تھی نکل گئی
غل پڑ گیا کہ خیمہ میں تلوار چل گئی

(۹۹)

اک ہاتھ میں یہ دو ہوا وہ چار ہوگیا
جو تھا جہاں پہ نقش بہ دیوار ہوگیا
زنگاری خیمہ خون سے گلنار ہوگیا
جانیں جو دیں امیر کا یہ پیار ہوگیا
سالم زرہ میں تن نہ کوئی سر تھا خود میں
تھے فرق افسروں کے ستم گر کی گود میں

(۱۰۰)

بیٹے ہیں کس کے مالک ومختار کیوں نہ ہوں
دشمن کے گھر پہ قبضۂ سرکار کیوں نہ ہوں
دو ہاتھ آپ چھوڑ دیں جب چار کیوں نہ ہوں
سر گود میں گرے ہوں تو سردار کیوں نہ ہوں
چھوڑا تھا کوئی سر جو سلامت نہ خود میں
سر اپنے سب لئے ہوئے بیٹھے تھے گود میں

(۱۰۱)

دیکھا سوئے امیر کبھی منہ کو موڑ کے
آئی ہنسی ہٹا جو کوئی ہاتھ جوڑ کے
کوڑے پہ رکھ لیا کسی ظالم کو چھوڑ کے
رکھ دی کسی کی غیظ میں گردن مروڑ کے
برچھی تھی یا نگاہ غضب تھی دلیر کی
پنجہ تھا ببر کا تو کلائی تھی شیر کی

(۱۰۲)

آخر یہ گرم موت کے بازار ہو گئے
خود اپنے سر کے آپ خریدار ہو گئے
دو جس جگہ پہ مل کے اٹھے چار ہو گئے
دہلے جو دل تو پاؤں بھی بیکار ہو گئے
کب دل نہ ابن سعد شقی کا دہل گیا
جو لاش اٹھ کے سر پہ گری دم نکل گیا

(۱۰۳)

پھر کیا تھا گر وغائے ہژبر صمد نہ تھی
کیوں کر یہ جنگ تھی جو اُدھر کی مدد نہ تھی
کس سر پہ گر کے جسم سے وہ تیغ رد نہ تھی
واں کی یہ ضرب تھی کہ جہاں جائے زد نہ تھی
دیکھے محل جری نے جو ہاتھوں کی آڑ کے
پٹکا زمیں پہ خیمہ سرکش اکھاڑ کے

(۱۰۴)

یوں آپ گرم معرکۂ کارزار تھے
ہر بار نعرہ اسد کردگار تھے
بسمل جو قلب تھے جو جگر بے قرار تھے
جوہر ہر ایک تیغ میں کب آشکار تھے
کوئی نہ تھا شقی کی جو امداد کے لئے
تیغوں نے بال کھولے تھے فریاد کے لئے

(۱۰۵)

آخر کو اس قدر ہوئی میداں میں کارزار
باقی رہا امیر کا کوئی نہ جاں نثار
خود رہ گیا تھا ایک اور اک شمر نابکار
دیکھا جو یہ چلا وہ غضنفر پئے شکار
قصہ تمام ختم ہوا دار و گیر کا
مشکیں بندھیں تو حال کھلا کچھ امیر کا

(۱۰۶)

لشکر نے جو بھی دور سے دیکھا یہ ماجرا
ہیں قید اک کمند میں دو بانیٔ جفا
گھبرائے سب تو ایک سے یہ ایک نے کہا
دیکھو تو کون لوگ ہیں یہ کیا ہے سانحہ
ایسے خیال دل کو نہ کس طرح تیر ہوں
ایسا نہ ہو کہ شمر و عمر یہ اسیر ہوں

(۱۰۷)

گھوڑے بڑھا بڑھا کے بلندی پہ آئے لوگ
کالے علم بھی پہنے تھے بر میں لباس سوگ
تھا بھاگنے کارن سے طبیعت میں جن کے روگ
چلائے وہ کہ شمر و عمر پر پڑا بجوگ
وہ کب بچیں گے شیر کے جو صید ہوگئے
غل پڑ گیا کہ شمر و عمر قید ہوگئے

(۱۰۸)

لایا جو باندھ کر انہیں ضیغم دم وغا
منھ کر کے سوئے فوج یہ بھاگوں کو دی صدا
یہ کون ہیں بندھے ہوئے تم پر بھی کچھ کھلا
لاتے ہیں یوں نکال کے دلبند مرتضیٰؑ
بھولو نہ اپنے قبل کی گفت و شنید کو
سردار قید ہوگئے لکھو یزید کو

(۱۰۹)

سردار دونوں جاتے ہیں مُحْبَس میں قید کو
دیں سانڈنی سوار خبر عمرو و زید کو
آخر کڑی میں بھول گئے مکر و کید کو
لاکھوں سے یوں نکال کے لاتے ہیں صید کو
کیوں کیا ہوا چڑھائے تھے چاک آستین کے
تم میں بھی کوئی ہے کہ جو لے جائے چھین کے

(۱۱۰)

یہ کہہ کے چاہا دونوں کے سر کو کریں جدا
شبیرؑ نے بھی دور سے دیکھا یہ ماجرا
کرسی سے جلد اٹھ کے پکارے شہ ہدا
کہنا ہے کچھ حسینؑ کو ٹھہرو تو اک ذرا
مشتاق دید دیر سے ہیں منہ کو موڑ دو
بھائی ہمارے سر کی قسم ان کو چھوڑ دو

(۱۱۱)

قید اور رئیس فوج یہ ہے کبریا کی شان
ہم جانتے ہیں تم سا جہاں میں نہیں جوان
منّت پہ کچھ ہماری بھی لازم ہے تم کو دھیان
لو اب تو چھوڑو دیکھ لی عالم نے آن بان
اس وقت گو نہیں یہ گوارا نہیں سہی
لاکھوں میں تم نے دو کو نہ مارا نہیں سہی

(۱۱۲)

یہ سن کے اس دلیر نے بس چھوڑ دی کمند
آلات حرب ہل گئے لرزہ یہ بند بند
جھٹ کر چلے جو وہ تو یہ بولا وہ ارجمند
حکم خدا ہے حکم شہنشاہ حق پسند
حضرت پہ منکشف ہے جو دل کا مآل تھا
خادم کو حکم بنت علیؑ کا خیال تھا

(۱۱۳)

یہ سنتے ہی سواریٔ شیر وغا چلی
دامان زیں کو تھام کے شہ کی دعا چلی
گھوڑا چلا کہ نہر کی جانب صبا چلی
گیتی ہلی، شجر ہوئے جنباں، ہوا چلی
ٹاپوں سے ہر فراز زمیں پست ہوگیا
صحرا تمام مثل کفِ دست ہوگیا

(۱۱۴)

جس شان سے صفوں پہ ہژبر عریں گیا
اب تک تو اس طرح کوئی غازی نہیں گیا
اس دن غبار یوں سوئے چرخ بریں گیا
اُلٹا یہ آسمان کہ زیر زمیں گیا
موجود ہے نگاہ سے گو بے نمود ہے
جیسے فلک کا زیر زمیں بھی وجود ہے

(۱۱۵)

جب باگ لی عقاب کی اس شہسوار نے
چھوڑی جگہ سپاہ ضلالت شعار نے
کھنچا یہ سر کو معرکۂ کارزار نے
اونچا کیا فلک کو زمیں سے غبار نے
اس قول پر گواہ سم ہر سمند ہے
اس دن کی خاک سے فلک اتنا بلند ہے

(۱۱۶)

یوں صف پہ چل کے دست ہژبر عجم تھے
لکھنے میں سطر پر کوئی جیسے قلم تھے
گرد اس قدر اڑی کہ نہ اہل ستم تھے
ماہی کی پشت پر فرسوں کے قدم تھے
نیزے تھے یا کہ خار تھے ساہی کی پشت پر
اب تک نشاں سموں کے ہیں ماہی کی پشت پر

(۱۱۷)

جس کے گلے نبرد میں وہ جانستاں ملی
نکلا یہ اس کے منہ سے کہ اب تن کو جاں ملی
چادر ہلائی گرد نے جب تب اماں ملی
اٹھی جو گردباد زمیں کو زباں ملی
پہنچی فلک پہ گرد یہ اس دن جہان سے
باتیں زمین کرنے لگی آسمان سے

(۱۱۸)

پہلے وغا سے فوج ہوئی تھی جو سب تباہ
خالی تھا دشت دور نظر آتی تھی سپاہ
پیاسے تھے تین دن سے جو سلطان دیں پناہ
دریا کے سمت جاتے تھے نیچی کئے نگاہ
مطلب یہ تھا کہ خشک زبان امام ہے
پانی پہ بے حسینؑ نظر بھی حرام ہے

(۱۱۹)

پیاسوں کے کان تک جو وہاں بھی صدا گئی
تڑپا یہ دل کہ جان حزین سنسنا گئی
ناگہ ہر ایک موج جگر کو ہلا گئی
گھوڑے نے ہنہنانے کے کہا نہر آ گئی
دل کو خیال شاہ نے پر درد کر دیا
ٹھنڈی ہوا نے زیست سے دل سرد کر دیا

(۱۲۰)

اتنے میں آئی کان میں آواز آب بھی
داخل ہوئے فرات میں خود بھی عقاب بھی
آئی جو یاد سبط رسالت مآب بھی
گھوڑا بھی تشنہ لب نکل آیا جناب بھی
اب ذی حیات کیوں نہ ہوں بیتاب دیکھ کر
منہ مشک نے بھی کھول دیا آب دیکھ کر

(۱۲۱)

نکلا جو مشکِ آب کو لے کر وہ شیر نر
دیواریں آئیں قلعۂ فولاد کی نظر
کوسوں زمیں سیاہ ہے پھیلی ہے فوج شر
کالے نشان کھینچے ہیں سب آسماں پہ سر
صدمہ خیالِ مشک سے جانِ حزیں پہ ہے
یوں تیر چل رہے ہیں کہ سایہ زمین پہ ہے

(۱۲۲)

اوچھی پڑی جو تیغ کہیں منہ سے واہ کی
گہہ روئے مشک دیکھ کے گہہ دل سے آہ کی
رایت سے گہہ ہٹانے لگے گرد راہ کی
گہہ خیمہ حسینؑ پہ تن کر نگاہ کی
مطلب یہ تھا صغیر نہ واں بے حواس ہوں
نیزے سے دے دوں مشک جو شبیرؑ پاس ہوں

(۱۲۳)

دیکھی کہیں جو سانس فرس کو ڈپٹ کے آئے
بھاگا وہ آستین کو جس پر الٹ کے آئے
اک تشنہ وغریب پہ جب سب سمٹ کے آئے
ابروئے پاک ماتھے سے آنکھوں پہ کٹ کے آئے
افسوس دہنے بائیں کے جب لوگ پھر پڑے
دو ہاتھ دونوں سمت کے کٹ کٹ کے گر پڑے

(۱۲۴)

یاں تھا یہ حال اور ادھر کی تھی یہ خبر
تکتی تھی در سے زوجۂ عباسؑ نامور
ہر سو نگاہ کرنے میں آئے نہ جب نظر
گھبرا کے نور عین سے بولی وہ نوحہ گر
گر کچھ نہیں تو مرہم زخم جگر تو لاؤ
بیٹا چچا سے جا کے پدر کی خبر تو لاؤ

(۱۲۵)

یہ ذکر تھا کہ شاہ کو اکبر نے دی خبر
چلئے گرے فرس سے علمدار نامور
فرمایا کیا کہا کہ شکستہ ہوا جگر
اکبر سنبھالو ہم کو جھکی جاتی ہے کمر
میں بھی کہوں کہ کیوں نظر آئے نہ دیر سے
ہے ہے ابھی تو لڑتے تھے دریا پہ شیر سے

(۱۲۶)

یہ کہہ کے سر برہنہ چلے سرور ہُدا
تلوار ہاتھ میں تھی گریبان تھا پھٹا
دیتے تھے آپ این اخی کی جہاں صدا
روتے تھے طائران بیابان کربلا
بھائی کی یاں تھی یاد حسینؑ دلیر کو
واں ہچکیاں ترائی میں آتی ہیں شیر کو

(۱۲۷)

ناگاہ بعد طئے مراحل زمین پر
مشتاق جن کے تھے وہی ہاتھ آ گئے نظر
آخر کو صدر پاک میں تڑپا دل اس قدر
بھائی کے ہاتھ اٹھا لئے ریتی سے دوڑ کر
دونوں میں شوق باطنی دل جو بٹ گئے
بازو سے آپ آپ سے بازو لپٹ گئے

(۱۲۸)

افسوس وہ بھرے ہوئے بازو کی مچھلیاں
شرمائیں جس سے گلشن جنت کی ڈالیاں
گلدستہ جناں تھیں کہ گل سی ہتھیلیاں
قبضہ کی وہ گرفت سے خم کھائیں انگلیاں
ظاہر تھا دست و تیغ کے اس وقت ساتھ سے
تلوار بعد مرگ بھی چھوٹی نہ ہاتھ سے

(۱۲۹)

اے اہل بزم روئیے اب یاد شاہ میں
دنیا سیاہ ہے شہ دیں کی نگاہ میں
وہ ہاتھ تھے جو دست شہ دیں پناہ میں
سب اک زباں تھے لوگ ادھر کی سپاہ میں
کیا ذکر ایک دوسرے کی باوفائی کا
مر کر بھی ہاتھ بھائی نے چھوڑا نہ بھائی کا

(۱۳۰)

دیکھا یہ آئے لاش پہ جب سرور زماں
منہ کو پھرائے نہر سے لیٹا ہے وہ جواں
پھیلے قدم سمیٹے ہیں آتی ہیں ہچکیاں
دریا کے رخ کو چھوڑ کے ہے خون تن رواں
زخموں سے جسم چور ہے سینہ فگار ہے
جو تیر ہے بدن میں وہ اک خون کی دھار ہے

(۱۳۱)

فرمایا شہ نے ہائیں یہ کیا حال ہو گیا
کیا جسم میرے ہوتے میں پامال ہو گیا
مر کر جری جو شیر کے تمثال ہوگیا
زروں میں خوں جدھر کو بہا ڈھال ہوگیا
تھرائے ہاتھ پاؤں بدن سنسنا گیا
خوں بھائی نے جو بھائی کا دیکھا غش آ گیا

(۱۳۲)

اٹھے جو غش سے چونک کے سلطان کربلا
پہلے خدنگ شہ نے بدن سے کئے جدا
پھر منہ کو منہ پر رکھ کے یہ حضرت نے دی صدا
اے دوست، بھائی، باپ، پسر میں ترے فدا
بازو قوی تھے درد کمر میں ذرا نہ تھا
کس کا مزا حسینؑ کو تجھ سے ملا نہ تھا

(۱۳۳)

چونکوگے یا غریب ہو بے آس کچھ کہو
آتے ہیں مجھ کو سیکڑوں وسواس کچھ کہو
امید کچھ مجھے ہو کہ ہو یاس کچھ کہو
یہ ہچکیاں ہیں کون سی عباسؑ کچھ کہو
خوں حلق میں جما ہے تن زخم دار کا
یا ساتھ چھوڑتے ہو غریب الدیار کا

(۱۳۴)

مایوس گہہ ہوئے کبھی شانہ ہلا گئے
منہ رکھ کے منہ پہ گاہ گلے سے لگا گئے
آیا جو ہوش عضو بدن تھرتھرا گئے
کی عرض پاؤں کھینچ کے ہیں آپ آ گئے
تعظیم کا جو قصد کیا زخم پھٹ گئے
پیار آ گیا حسینؑ گلے سے لپٹ گئے

(۱۳۵)

بولے لٹا کے جلد شہنشاہ خاص و عام ‏ ‏ کیوں برچھیاں لگاتے ہو بسمل ہے خود امام
تم نے تو بھائی سے وہ کیا اے فلک مقام ‏ ‏ شبیر تم کو جھک کے ادب سے کرے سلام
باتیں یہ سب ہیں میرے رلانے کے واسطے
آیا تھا میں تو پاؤں دبانے کے واسطے

❁❁❁

نوٹ: حضرت ماہرؔ کا یہ مرثیہ بحر مضارع میں ۲۷۹ بند کا ہے جو امام حسین علیہ السلام کے غم انگیز بیانات اور پھر امام مظلوم ہی کی شہادت پر ختم ہوا ہے مگر افسوس ہے کہ بندہ کو شکستہ حالت میں ۱۳۵ بند تک ناتمام موصول ہوا۔ (اسیف ؔجائسی)

بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مجلس شام غریباں

حسینؑ کا بازو سنبھالا۔ ماں گودی پھیلا کے بیٹھی کہ میرے بچے آ میں اپنے کانپتے زانو پر سر رکھ لوں۔ سر کٹے تو میری گود میں کٹے بہن گھبرا کے خیمے سے نکلی میرے بیکس بھائی میں عبا کا سایہ تو کرلوں۔ اگر مل جائے تو پانی پلا دوں۔ اور فلک سے آیت اُتری: "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی" اے نفس مطمئنہ اے جانِ صبر و سکون، اے میرے حسینؑ! اطمینان کی منزلوں سے گذر کے صبر کی راہوں سے بلند ہو کر میرے تقرب کی منزل میں واپس آ۔ فتح و فیروزی کا تاج تیرے لئے میری جنت تیرے لئے۔ ساری دنیا تیری فدائی دلوں پر قبضہ تیرا۔ بس میرے حسینؑ بس، مصیبت کی دنیا ختم ہوئی۔ اب ظلم و جور کی تمام کوششیں تیرے کارناموں کو اپنے سیاہ دامن سے ڈھانک نہیں سکتیں۔ میں تجھ سے راضی اور تو مجھ سے راضی۔ بلکہ تمام دنیا تجھ سے راضی۔ ہاں یقیناً اس مظلوم امام نے وہ کام کیا کہ خدا راضی، رسول راضی، علیؑ و فاطمہؑ راضی۔ یہی نہیں بلکہ حسینؑ کا انداز شہادت وہ تھا کہ ہر مومن و مسلم راضی۔ ہر دین و مذہب مداح۔ ہر زبان پہ حسینؑ کا نام، حسینؑ کی سیرت۔ حسینؑ کا ایثار، حسینؑ کا اتحاد۔ حسینؑ کی سیاست، حسینؑ کی شجاعت۔ حسینؑ کی سرفروشی۔ واللہ کہ حسین علیہ السلام کا رہے کردی۔ زبان حال میرا دل اور ہر انصاف پسند کا عقیدہ کہہ رہا ہے کہ جب آدم نے حسینؑ پر نگاہ کی ہوگی، گلے لگایا ہوگا کہ حسینؑ تم نے میری نسل کو ملک سے بہتر کر دیا۔ نوحؑ خوش کہ تم نے اسلام کی کشتی پار لگائی، ابراہیمؑ راضی کہ میری خلت نباہ گئے، اسمٰعیلؑ ممنون احسان کہ ذبیح فرات تم نے شہادت کا بار اُٹھا کے مجھے چھری کے نیچے سے ہٹا لیا۔ جناب موسیٰؑ مدح سرا کہ تم نے ظلم کا بیڑا ڈبو کے چھوڑا۔ جناب عیسیٰؑ مداح کہ حسینؑ تم نے میری جانفشانی پروان چڑھا دی۔ ہاشم نازاں کہ میرے خاندان کو چار چاند لگا دیئے۔ خود محمد مصطفیٰؐ گلے سے لگائے ہوئے کہ تم نے میرا دین زندہ کر دیا۔ علیؑ سینے سے سر لگائے ہوئے کہ نور نظر ادیان کی راہیں روشن کر دیں۔ حسنؑ سا بھائی تاج امامت پہناتے ہوئے میرے قوت بازو تو نے میری صلح کا نتیجہ ظاہر کیا۔ اور ماں جلتی زمین پر گود پھیلائے ہوئے کہ آ میرے بچے آ میں نے تجھ کو اسی دن کے واسطے پالا تھا۔ یہ تو نانا تھے، بابا تھے، انبیاء تھے، مرسلین تھے، بھائی تھے، ماں تھی، مگر دنیا کا وہ کون انسان ہے کہ حسینؑ کی مدح و ثنا نہ کر رہا ہو۔ صوفیوں کا قول کہ ‏ ‏ حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

بہادروں کا دل قوی کہ حسینؑ سردار بن جائیں تو شجاعت کے جوہر کھلیں۔ فقیروں کو تسلی کہ ہمارا فاقہ تو کوئی چیز نہیں۔ دولتمندوں کو دہشت کہ حسینؑ نے سرمایہ داری کو روند ڈالا۔ بادشاہوں کی نگاہ دربار حسینی پر کہ شاہزادہ ہو تو ایسا ہو۔ مساوات کے بندے سر نیاز جھکائے ہوئے کہ غلام و آقا کو برابر کر کے دکھایا۔ سیاست والے اس میں محو کہ یزید کی سلطنت کیونکر مٹائی۔ اصول کے پابند انگشت بدنداں کہ حق کو ابھارے تو یوں ابھارے مگر بیٹی کی زبان پہ درد و نوحہ مات الفخار، مات الجود و الکرم ارے میرا باپ نہیں مر گیا، فخر و شرع مر گیا۔ جود و کرم مر گیا۔ دین و مذہب کو موت آ گئی۔ اب ہم غریب ہو گئے۔ بیکس ہو گئے، ہمارا خبر لینے والا نہ رہا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ میری شاہزادی حسینؑ کی جان! تم نہ روؤ تمہارے رونے سے باپ کا دل دکھے گا۔ روح بے چین ہوگی، تمہارے باپ کو دنیا رو رہی ہے، جانور رو رہے ہیں۔ انسان رو رہے ہیں۔ حیوان رو رہے ہیں۔ زمین و آسمان خون کے آنسوؤں سے رو رہے ہیں۔ میری شہزادی مت رو۔ دوست اور دشمن رو رہے ہیں۔ ❁❁❁